

○ اعظمی نورین

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

○○ ڈاکٹر محمد افضال بٹ

پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

○○○ ڈاکٹر یاسمین کوثر

اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ

زہرا نگاہ کی شاعری میں تصویر تائینیت اور سماجی شعور

Abstract:

ZahraNigah is an authentic, respectable and well-known poetess of Twentieth and Twenty first centuries. She gave Urdu poetry (Poems and Ghazals) a distinguished and novel diction which was weawon into culture with a flare of civilization and a touch of femininity. Zahra Nigah was born in Hyderabad Dakan on 14th May 1937. she along with her family migrated to Karachi Pakistan in 1948. Since she belonged to a literary family therefore she inherited the love for poetry and literature. She got initial training to write poetry from Jigar Murad Abadi a well-known poet of those times. She was lucky to have the company of literary stalwarts like Firaq, Faiz and Jigar who were like shadowy trees to her in scorching heat of the world. She was a considerate person and respected relations, contacts and companionships. Though she witnessed relations being shattered during the chaos created by migration but while writing about them she remained optimistic. While representing individual sufferings, matters of love, homelessness, social amid sexual matters, she has become a symbol of feminist movement through her poetry and other writings.

Keywords:

Adherence, Civic Values, Deterioration, Humanism, Feminism

ابتدائے آفرینش سے خالق دو جہاں نے مرد و زن کے وجود سے کائنات کو آباد کیا جو آدم و حوا کہلائے۔ حضرت آدم کی دائیں پسلی سے حوا کو پیدا کیا۔ دائیں پسلی چونکہ دل کے قریب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے ”وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ“ کی حمایت کی۔ اقوام عالم کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالیں تو پدری نظام سے قبل وہاں مادری نظام زندگی رائج تھا۔ جہاں زندگی کے تمام پہلوؤں خواہ داخلی ہوں یا خارجی، عورت اور مرد یکساں زندگی گزار رہے تھے۔ زندگی کی مشترکہ محنت اور شراکت پر دونوں کی حیات کا دائرہ کار فرما تھا۔ حق ملکیت پر یکساں حقوق تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پدری نظام قائم ہو کر سماج پر غالب آنے کی صورت میں عورت کے حقوق آہستہ آہستہ سلب ہونے لگے۔ مرد کو حاکم اور عورت کو محکوم گردانا جانے لگا۔ الغرض پدری نظام میں عورت کے سیاسی، معاشی اور جنسی استحصال سے لے کر جبر و زیادتی، غیر مساوی حقوق، عدم تحفظ اور اخلاقی اقدار سے متعلق تمام مسائل کے بارے میں آواز بلند کرنے اور عورت کے تحفظ کے لیے اقدامات کرنے کا عمل ”تانیثیت“ کہلاتا ہے۔

”تانیثیت عربی زبان کے لفظ تانیث سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی مونث کی علامت لگانا ہے۔ انگریزی میں اس کے لئے ”فیمینزم“ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس کا ترجمہ تانیث، نسائیت اور بعض اوقات فینن ازم کر لیا جاتا ہے۔ فیمینزم کی اصطلاح دراصل لاطینی لفظ ”فیمینا“ سے مشتق ہے جس کا بنیادی مفہوم نسوانی خصوصیات رکھنا ہوتا ہے۔“ (1)

فیمینزم کا لفظ سب سے پہلے ۱۸۷۱ء میں فرینچ میڈیکل ٹیکسٹ میں ان مردوں کے لیے استعمال کیا گیا جن میں نسوانی خصوصیات تھیں۔ لفظ فیمینسٹ ان خواتین کے لئے بھی استعمال کیا جانے لگا جو بے باک اور دلبرانہ مزاج رکھتی تھیں۔ بعد ازاں یہ لفظ ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہونے لگا جو حقوق نسواں کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اور یوں آہستہ آہستہ یہ رجحان سے تحریک کا سفر طے کرنے لگی۔ یہی لفظ فیمینزم ایک اصطلاح بن کر عورتوں کی تحریک سے منسلک ہو گیا۔ اور اب یہ تانیثی تحریک بین الاقوامی سطح سے عروج پا کر ملکی سطح پر بھی بار آور ہو رہی ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف سوشیالوجی میں فیمینزم کی تعریف ان الفاظ میں درج ہے:

"Feminism: A movement that affected to institute social, economic and political equality between man and women in society relationship between man and women." (2)

تانیثیت ایک ایسی تحریک ہے جو معاشرے میں طبقہ نسواں اور مردوں کے درمیان صنفی امتیازات ختم کر کے یکساں سماجی، اقتصادی اور سیاسی برابری قائم کرنے کی خواہاں ہے۔ اس سلسلے میں مرد اور عورت دونوں نے قلمی جہاد کیا ہے۔ قاضی افضال حسین رقمطراز ہیں:

”معاشرے کی تشکیل کے لیے عورت اور مرد دونوں ضروری ہیں اور ان کے درمیان ربط کی نوعیت

ایک مخصوص معاشرے کی معاشی اور تہذیبی ضرورتوں سے متعین ہوتی ہے۔“ (۳)

انیسویں صدی تک دیکھا جائے تو تانیشی تحریک صرف طبقہ نسواں کے حصول زندگی تک ہی محدود تھی۔ لیکن بیسویں صدی میں تانیشی تحریک نے کئی شکلیں بدلیں۔ اس سلسلے میں روشن خیال، شدت پسند، مارکسی سوشلسٹ، تحلیل نفسی، سیاہ فام اور مشرقی، تانیشی اقسام ابھر کر سامنے آئیں۔ ان اقسام کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ تانیشی تحریک نے پوری نظام پر تنقیدی تصورات کی روشنی میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ عورت سماج کا ایک ایسا حصہ ہے جس کے بغیر ہماری معاشرتی زندگی کا عمل ادھورا ہے۔ عورت ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہتی ہے جہاں وہ مرد کی محکوم نہ ہو۔ تانیشی تحریک کے ارتقا سے عورت کے حوالے سے مردانہ ذہنیت، استحصاں اور ظلم و ستم کا بھرم ٹوٹ گیا۔ جس کی وجہ سے عورت کے حوصلوں میں اضافہ ہوا اور وہ بے باک انداز سے اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے لگی۔ سید محمد عقیل لکھتے ہیں:

”تانیشیت ایک نیا فکری تصور ہے جو بیسویں صدی کے نصف کے بعد سے مغربی فکر اور تنقیدی

تصورات میں روز بروز اپنا دباؤ ڈالتا جا رہا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ احتجاجی صورتوں کو واضح کرتا جا

رہا ہے۔“ (۴)

عصر حاضر میں جارحانہ اور مزاحمتی تانیشی شعور کے مقابلے میں شائستہ نسائی تہذیبی اقدار کے دبستان کی معتبر شخصیت زہرا نگاہ جو مشرقی اقدار کی امین اور ترجمان ہیں۔ انہوں نے گیارہ سال کی عمر میں پہلی نظم ”گریڈ گڈے کی شادی“ لکھی۔ زہرا نگاہ، فراق، فیض اور جگر سے متاثر تھیں۔ شاعری میں جگر مراد آبادی کو تلمذ کیا۔ ”ابتدائی کلام اصلاح کی غرض سے جگر مراد آبادی کو دکھایا۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر اصلاح سے انکار کر دیا کہ تمہارا ذوق سخن خود ہی تمہارے کام کی اصلاح کر دے گا۔“ (۵) انہوں نے پہلا مشاعرہ جماعت نہم میں زمانہ طالب علمی میں پڑھا۔

زہرہ نگاہ نے نسائی مشرقی تہذیبی اقدار کے آنچل میں سمٹے اپنے وجود کو تسلیم کروانے میں نسائی حیثیت اور تانیشی شعور کی مشعل کو روشن کیا۔ ادبی افق پر ابھرنے والی شاعرات کی فہرست میں زہرہ نگاہ ایک معتبر اور مستند نسائی آواز ہیں جو سرتاپا مشرقی تہذیب کا چلتا پھرتا مجسمہ ہیں۔ ناز و انداز، اندازِ سخن، اٹھنے بیٹھنے، لباس اور رکھ رکھاؤ میں تہذیبی اور مشرقی اقدار جھلکتی دکھائی دیتی ہیں اور انہی اقدار کی پاسداری زہرا نگاہ کی شاعری کی زبان بن کر ہر سامع اور قاری کے دل میں اترتی، دماغ کو منور کرتی، شعور اور وجدان کے درکھولتی عورت کو نسائیت سے آشنا کروانے کا ہنر آزماتی ہے۔ زہرا نے شائستہ و شستہ لب و لہجہ میں اپنی شاعری کا آغاز غزلیات سے کیا لیکن جلد ہی ان کا رجحان طبع نظموں کی جانب مائل ہو گیا۔ غزل و نظم دونوں میں ایک حد سے بڑھ کر نسائی شعور کا رنگ اجاگر کرتی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے تین شعری مجموعے ”شام کا پہلا تارا“، ”ورق“ اور ”فراق“ تصنیف کیے۔ ان کی ادبی خدمات پر حکومت پاکستان کی طرف سے صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے بھی نوازا گیا۔ بقول نجمہ رحمانی:

”زہرہ کے ہاں نجی تجربات و جذبات بھی، اجتماعی مصائب کی روداد، عشق کی واردات، سیاست کی

گھات، ممتا کا جذبہ، عورت کی بے بسی، گھٹن کی لہر بھی ہے انہوں نے ہر رنگ کو بہتر ہنرمندی کے

ساتھ نبھایا ہے۔“ (۶)

زہرہ نگاہ کی شخصیت اور شاعرانہ انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے شعر گوئی میں ایسا انداز سخن اپنایا جس سے وہ نہ تو جدیدیت کی صف میں شامل ہو کر مادر پدر آزادی کا نعرہ لگاتی ہیں اور نہ ہی دیگر شاعرات کی طرح قنوطیت کی جانب مائل دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ انہوں نے سب سے الگ اور منفرد راستہ اختیار کیا جو ان کو دوسری شاعرات سے منفرد کرتا ہے۔ انتظار حسین کی رائے میں:

”زہرا نگاہ کی شاعری کا اپنا ایک لب ولہجہ ہے۔ اولاً وہ اس لب ولہجہ کے حساب سے اپنی ہمعصر شاعری سے الگ پہچانی جاتی ہے۔ شاید اس باعث کہ تخصیص کے ساتھ یہ نسا کی لہجہ ہے..... اس نے مظلومیت کا لبادہ اتار کر احتجاج اور مزاحمت کی راہ کو اپنایا ہے۔ مگر زہرا نگاہ کی طبیعت شروع سے شائستہ غم چلی آتی ہے..... ان کی شاعری نسا کی تہذیب میں رچ بس کر نمایاں ہوئی تو اس کے لہجہ میں کتنی شائستگی آگئی ہے۔ جا بجا یوں لگتا ہے کہ یہ ان کی آپ بیتی ہے اور ان کا نجی دکھ ہے۔ خالص عورت والا نجی دکھ۔ مگر اس میں جگ بیتی کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ عجب شاعری ہے کہ آپ بیتی اور جگ بیتی نے مل کر ایک مشترک حکایت غم کی شکل اختیار کر لی ہے۔“ (۷)

زہرہ نگاہ نے ادبی ماحول میں پرورش پائی۔ پاکستان کے نامور فنکار اور مقصودان کے بھائی ہیں، بڑی بہن فاطمہ ثریا بچیا ٹیلی ویژن کے پردے پر ٹریا بن کر جگمگائیں اور زہرا نگاہ اردو شاعری کا درخشاں ماہتاب بن کر ابھریں۔

رک جاہجوم گل کہ ابھی حوصلہ نہیں دل سے خیال تنگی داماں گیا نہیں
جو کچھ ہیں سنگ وحشت میں باگرد دیگر زم تک جو آئے ان کا کوئی نقش پانہیں (۸)

انہوں نے ابتدائی غزلوں میں جو رنگ سخن اختیار کیا وہ پختہ عمر کے تجربات کا غماض ہے۔ اسی لیے ان کو بھی دوسری شاعرات کی طرح مشکوک نگاہوں سے دیکھا گیا۔ ان کی ابتدائی شاعری میں ایک نوعمر لڑکی کی پہلی محبت کی جھلک، معاملات عشق میں سہا سہا اور دبا دبا سا انداز اور رسوائی کا خوف صاف دکھائی دیتا ہے۔ لیکن کہیں بھی حدود و قیود سے بغاوت یا انحراف محسوس نہیں ہوتا۔

یہ ادا سی یہ پھیلے سائے، ہم تجھے یاد کر کے بچھتائے
مل گیا تھا سکوں نگاہوں کو، کی تمنا تو اشک بھر آئے

جو زمانے کا ساتھ دے نہ سکے، وہ ترے آستاں سے لوٹ آئے (۹)

زہرا نگاہ نے ہجرت کا دکھ سہا۔ کم سنی میں ہی گھروں کو لٹتے، تباہ ہوتا اور جلاؤ، گھیراؤ کی چیخ و پکار، قتل و غارت، خون کی ندیاں بہتی دیکھیں، عورتوں کے سہاگ اجڑتے اور ماؤں کے لخت جگروں کے لاشے ان کی معصوم آنکھوں نے دیکھے۔ سماج کے نشیب و فراز اور حالات کی تنگی و سختی کی شکلیں ماتھے پر سجائے اپنی مشرقی تہذیب اور نسوانی اقدار کو بھی فراموش نہیں ہونے دیا اور نہ ہی کبھی ان کو نظر انداز کیا۔ نہایت گھمبیر اور مشکل و نزاعی معاملات، حالات و واقعات کے بیان میں بھی نسا کی تہذیب کا دامن مضبوطی سے پکڑا۔ اور شاعری میں ایک مہذب نسا کی آواز بڑے ہی دھیمے لہجے میں بلند کی کہ ان کے دھیمے لہجے کی گرم آنچ نے ہر دل کو پگھلا دیا اور ہر آنکھ کو اشک بار کر دیا۔ زہرا نگاہ کے ہاں تانیثی شعور اپنے

عروج پر دکھائی دیتا ہے اور شعور کی بازیابی کے لیے زہرہ کی نسانیت کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ ”غزلیات میں جہاں کہیں انہوں نے اپنا دامن غم جاناں سے چھڑایا ہے وہیں غم دوراں کی کسک اشعار میں سمٹ آئی ہے۔“ (۱۰) عورت کے جذبات و احساسات کی سچی تصویر جو ایک عورت نے کھینچی ہے وہ لاثانی ہے۔ اس عورت نے بھی پدر سری معاشرے میں آنکھ کھولی اور سماجی نا انصافی، ممتا کے جذبات، دہشت گردی کا خوف، چھوٹی چھوٹی خواہشات کی محرومی کا شکوہ، زندگی کی خوشیوں کے لیے سمجھوتے کی چادر اوڑھنے، بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں عورت پر ہونے والے ظلم و ستم کے ساتھ ساتھ سیاست اور جنگ و جدل جیسے خون ریز واقعات، اور سماجی و انفرادی دکھ کے بیان میں بھی زہرہ نے تہذیبی اقدار کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان واقعات کے بیان میں نفیس اور شائستہ الفاظ کا چناؤ بلاشبہ زہرہ نگاہ کا ہی کمال اور خاصا ہے۔ بعد ازاں ہمیں فہمیدہ ریاض، کشورنا ہید کے ہاں احتجاجی اور مزاحمتی رویہ دکھائی دیتا ہے لیکن زمانے کی سختی و درشتی اور بے حسی نے آج بھی زہرہ کا نسائی لب و لہجہ جارحانہ نہیں ہونے دیا بلکہ مشرقی اقدار اور تہذیب کا مبلغ، امین اور ترجمان ثابت ہوا ہے۔ زہرا نگاہ مختلف انداز میں عورت کے مختلف روپ بیان کرتے ہوئے اسے ایک متوازن زندگی کی جہت سے متعارف کرواتا ہے۔ شاعرہ اپنی نظم ”جرم وعدہ“ میں دکھوں کی ماری عورت جو یاسیت کا شکار ہو کر حالات کی چکی میں پس رہی ہے۔ جنگی صورت حال درپیش ہے۔ دن بھر محنت و مشقت میں گزار کر آغوش شفقت میں رات بھر اپنے ننھے بچے کو شہزادیوں اور پریوں کی کہانی سنا کر سلاتی ہے۔ اور خود کلامی میں اپنی تباہی و بربادی کی حقیقت سے پردہ اٹھاتی خون کے آنسو روتی ہے۔ زہرا نسائی حسیت سے بھرپور انداز میں لکھتی ہیں: میرے بچے!

کہانی میں تھکی ہاری جوڑ کی تھی وہ شہزادی نہیں، میں تھی

وہ جادو کا محل جو اک پل میں جل کر ہوا ہو گیا تھا، وہ میرا گھر تھا (۱۱)

زہرا نگاہ کی شاعری میں ایک عورت زندگی کے تمام مراحل میں سمجھوتے کی چادر اوڑھ کر اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے ریاضت کرتی ہے۔ اولاد کی خاطر ہر دکھ سہنے پر راضی برضا رہتی ہے اور یہی ادھورے خواب کسی بھی عورت کی زندگی کا حاصل بنتے ہیں۔ اولاد کو ہی اپنے ہر غم کا مداوا سمجھنے والی دکھوں کی ماری ماں کے جذبات کے ترجمانی میں نسائی تہذیب کا قلم بلند کرتے ہوئے زہرا نے لکھا:

مری آنکھیں کسی پیمان کے زخموں سے بوجھل تھیں

تمہارا عکس ان زخموں کا مرہم تھا

ادھورے عہد کے ریشے سے میرے ہاتھ لرزاں تھے

تمہارا ساتھ اک تسکین پیہم تھا

مجھے اقرار تھا میں خاک ہوں

تم حسن و زیبائش، مجھے احساس تھا

میں خوف ہوں تم امن و آسائش

میں ماضی ہوں مگر تم صورت فردا فروزاں ہو

میں شکل ہوں مگر تم صورت امید آساں ہو (۱۲)

زندگی دراصل نام ہی سمجھوتے اور قربانی و ایثار کا ہے۔ مرد کی نسبت عورت کے خمیر میں قربانی کا مادہ زیادہ ہے۔ گھر گریہ ہستی عورت کی امانت داری ہے۔ ذرا سی سمجھ داری اور حکمت سے گھر آباد ہو جاتے ہیں اور ذرا سی بدگمانی و بے وقوفی سے بنے بنائے گھر وندے گر جاتے ہیں۔ نسائی مشرقی اقدار کی امین زہرا نگاہ کی شاعری گھر کی چار دیواری سے لے کر سرحدوں پر لڑی جانے والی جنگوں پر بھی بڑے سافٹ امیج کے ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔ زہرا کی خوبصورت نظم ”سمجھوتہ“ میں ہر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والی عورت کی کامیابی کا درس ہے۔

ملائم گرم سمجھوتے کی چادر، یہ چادر میں نے برسوں میں بنی ہے
کہیں بھی سچ کے گل بوئے نہیں ہیں، کسی بھی جھوٹ کا ٹانکا نہیں ہے
اس سے میں بھی تن ڈھک لوں گی اپنا، اسی سے تم بھی آسودہ رہو گے
اسی کو تان کر بن جائے گا گھر، بچالیں گے تو کھل اٹھے گا آنگن
اٹھالیں گے تو گر جائے گی چلیں (۱۳)

اگر شادی کا بندھن مجبوری میں بھی نبھانا پڑے تو حتی الوسع سمجھوتے سے زندگی کی گاڑی کا پھیر چلتے رہنا چاہیے:
ہم اپنی قرب کے کمزور دھاگے
جھٹک کر توڑ دیں ہمت نہیں ہے (۱۴)

زہرا نے گھر آنگن کو بنائے رکھنے میں مرد اور عورت دونوں کو سمجھوتے کی تلقین نہایت شائستہ لہجے میں کر دی ہے۔ عورت کو پیش آنے والے مسائل کا احاطہ اگر مرد کرے تو وہ اس گہرائی سے نہیں کر سکتا جس طرح عورت خود اپنی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے وجود کی بازیافت ممکن بناتی ہے۔ عصر حاضر میں مغرب کی دیکھا دیکھی مشرق میں بھی اور اب ہمارے وطن عزیز میں بھی جدیدیت اور فیشن کی آڑ میں ایکسٹرا میریٹل افیئر ز کا چرچا ہے۔ جہاں میاں بیوی کا تقدس تو ہے لیکن اس آڑ میں مذہن کے باہمی ناجائز مراسم اور تعلقات استوار کر کے ذہنی، جسمانی اور جذباتی تسکین اب عام سمجھی جا رہی ہے۔ جس سے ایک کامیاب اور متوازن معاشرے میں اخلاقی بگاڑ اپنی جڑیں مضبوط کرتے ہوئے مغربی نظام زندگی کے لیے راہیں ہموار کر رہا ہے۔ اس ناجائز مغربی رواج اور روایت کے خاتمے کے لیے زہرا نگاہ ”مشورہ“ کے عنوان سے لکھتی ہیں:

مجھے یہ ڈر ہے کہ کسی آفتاب کی گرمی
ترسی نظر کے ہزار آئینوں کو توڑ نہ دے
مجھے یہ وہم کسی ماہتاب کی ٹھنڈک
لہو سے گرمی فکر و عمل نچوڑ نہ لے (۱۵)

زہرا نے اسلامی مشرقی تہذیب میں پل بڑھ کر اسی رنگ نسائیت کو خود پر غالب رکھا۔ وہ مشرقی شرم و حیا کا پیکر ہیں۔ وہ جب قلم چلاتی ہیں تو طنز اور ملامت بھی ایسے نرم سنجیدہ انداز میں کرتی ہیں کہ ناگواریت برائی سے ہونے لگتی ہے اور دل و دماغ چونک اٹھتے ہیں۔ دور حاضر کا ایک اور ناسور، زنا کی صورت میں نوجوانوں کی آبیاری کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

زنا جیسے قبیح فعل کے بیان میں بھی زہرا کے ہاں لفظی کاریگری اور حکمت دانش ہر سوجلوہ افروز رہتی ہے۔ زہرا نے بہت نرم گداز لہجے اور اسلوب بیان سے عصر حاضر میں زنا کاری جیسی بد فعلی کو تہذیبی اقدار کے پیرائے میں شائستہ اور سلیجی ہوئی نسا کی آواز میں نہایت سادگی و پرکاری اور شستہ روی سے اس مسئلہ کو بیان کر کے گہرا سماجی طنز کیا ہے جو ہر قاری اور سامع کو سوچنے سمجھنے اور غور کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ زہرا نگاہ کی انفرادیت یہ ہے کہ جذبات و احساسات و کیفیات جب وہ قلم کے ذریعے صفحہ قرطاس پر بکھیرتی ہیں تو گمان ہوتا ہے کہ شاعرہ زمانے کی معروضی تاریخ اشعار میں رقم کر کے معاشرتی مسائل کی عکاسی اور ترجمانی کرتے ہوئے سماجی تقاضے پورے کرنے کا فرض ادا کر رہی ہیں۔ مرد شاعر عورت کے جذبات اور اس پر بیتنے والی کیفیات کا اظہار اس درد مندی اور ہمدردی سے نہیں کر سکتا جتنا ایک عورت دوسری عورتوں کے دکھ سکھ کی ترجمانی موثر انداز میں کر سکتی ہے۔ شاعرہ کے کلام کی عالمگیریت کا یہ خاصا ہے کہ وہ نہ صرف بیسویں صدی میں بلکہ اگر موازنہ کیا جائے تو آج اکیسویں صدی میں بھی عورت جسم فروشی جیسے اذیت ناک علم سے گزر رہی ہے۔ ایک اکیلی عورت اگر پدرسری معاشرے میں نوکری کے لیے بھی جائے تو وہاں بھی جنسی ہراسگی اس کا مقدر بنتی ہے اور جسم فروشی کے تکلیف دہ عمل سے نہ جانے وہ کس کس اذیت سے گزرتی ہے۔ زہرا ہر عورت کے دکھ کو یوں بیان کرتی ہیں۔ گویا یہ دکھ خود ان کی اپنی ذات سے وابستہ ہو اور وہ خود اس تکلیف سے گزر رہی ہوں۔ زہرا نگاہ کا کمال یہ ہے کہ وہ ہر دکھ خواہ وہ تائیدی ہو، سیاسی ہو، سماجی ہو، نگاہ میں رکھتے ہوئے اسے یوں زبان دیتی ہیں کہ وہ ہر سننے والے کی داستان بن جاتا ہے۔ علاوہ ازیں تہذیبی اقدار کے نسا کی لب و لہجہ میں زہرا نگاہ نے بہت وضع داری سے متنازع موضوعات کو بیان کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔

زہرا نے اپنی نظم ”ایک لڑکی“ میں ایک ایسی ہی مجبور اور لاچار کم سن کلی کا ذکر کیا ہے جو کسی بات پر ماں باپ سے ناراض ہو کر گھر کا راستہ بھٹک گئی ہے۔ اور نہ جانے کیسے جسم فروشی کے گھناؤنے پیشے میں مبتلا ہو گئی ہے۔ زہرا کا قلم بے بس بیٹی اور ماں کا نوحہ لکھ رہا ہے:

وہ سڑک کے اس جانب روشنی کے کھمبے سے
سر لگائے ایستادہ آنے والے گاہک کے
انتظار میں گم تھی (۱۶)

زہرا ایک لڑکی کی مشکلات سے وابستگی کا اظہار یوں کرتی ہیں کہ گویا وہ زہرا ہی کی پر چھائی ہو۔ حالات کی ستم ظریفی کا شکار خوب عورت جسم فروشی کے لیے ہر روز ایک نئے گاہک کی منتظر رہتی ہے جو اس کے جسم کو نوچنے اور روح کو زخمی کر کے کچھ پیسے اس کے دامن میں ڈالتا ہے لیکن ان پیسوں کے عوض ہر روز کئی کئی بھیڑے نما جانور اس کا رنگ روپ اور معصومیت لے جاتے اور بنا سنورا چہرہ کس قدر ڈراؤنا اور خوفناک کر دیتے ہیں۔ زہرا تشبیہات و استعارات کے زیور سے مزین اپنی شاعرانہ، فنکارانہ، تخلیقی کاریگری اور مہارت سے جذبات کی عکاسی کرتی ہیں۔ زہرا ممتا کے جذبات سے لبریز عورت کی بے بسی کی ترجمانی میں لکھتی ہیں کہ جسم فروش لڑکی گویا ان کی اپنی بیٹی ہو:

زرد پھول سا پتا گیسوؤں میں اُلجھا تھا
شبنمی سا اک قطرہ کچھ پرلرزا تھا

مجھ کو یوں لگا ایسے جیسے میری بیٹی ہو
میری ناز کی پالی میری کوکھ جانی ہو
ڈال سے بندھاٹھو لا طاق میں بھی گڑیاں
گھر میں چھوڑ آئی ہو تیز تیز چلنے پر
میں نے اُس کو ٹوکا ہو ہاتھ تھام لینے پر
میرا اُس کا جھگڑا ہو، کھوگئی ہو میلے میں
اپنے گھر کا دروازہ خود نہ دیکھ پائی ہو
دفعۃً دل چاہا اس کو گود میں بھر لوں
لے کے بھاگ جاؤں میں ہاتھ جوڑ لوں اُس کے
چوم لوں یہ پیشانی اور اُسے مناؤں میں
پھر سے اپنے آنچل کا گھونسل بناؤں میں
اور اُسے چھپاؤں میں (۱۷)
فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

”ان کی منظومات میں نہ جدیدیت کے غیر شاعرانہ جذبات کا پرتو ہے اور نہ رومانیت کی شاعرانہ
آدرش پسندی کا کوئی دخل ہے، اور روایتی نقش و نگار اور آرائشی رنگ و روغن کا سہارا لئے بغیر دل
لگتا ہوا شعر کہنا، دل گردے کا کام ہے۔“ (۱۸)

زہرا کے نزدیک عورت وفا کی دیوی ہے اور اپنی نظم ”پرسا“ میں سیمون دی بوار اور نظم ”سلویا پلاتھ“ میں ان کی
چہرہ مسلسل تمنغہ وفا، مہر بندی اور عہد زندگی کے سلسلے میں خراج تحسین پیش کرتی ہیں۔ بلاشبہ یہی اوصاف عورت کا حسن و دل
کشی کا باعث ہیں۔ لیکن عورت کا رنگ روپ سماج کی نا انصافیوں سے گہنا جاتا ہے۔ نظم ”انصاف“ میں ایک ایسی اندھی
لڑکی کا ذکر ہے کہ جسے اسلامی قوانین کے تحت ”حدود“ میں سزا سنائی گئی تھی۔ اس کا دکھ زہرا کے قلم نے کچھ اس طرح سمیٹا
ہے کہ اس کا ایک ایک حرف نوحہ کننا ہے۔ اس نظم میں بے قصور سزا یافتہ مردہ لڑکی خود کلامی کے انداز میں خود سے یوں
باتیں کرتی دہائی دیتی ہے کہ گویا وہ جیتی جاگتی لڑکی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ یہ کمال زہرا کا ہی ہے۔ کہ ہم اسے شکوہ
کرتے، روتے ہوئے اس ظالم بے حس سماج کے منہ پر طمانچہ مارتے ہوئے آج بھی اپنی بے گناہی کا حساب لینے کے
لیے انصاف کا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے:

ماں میری کچھ پاگل سی ہے یا پتھر چنتی رہتی ہے
یاد نہ چگتی چڑیوں سے کچھ باتیں کرتی رہتی ہے
وہ کہتی ہے جب یہ چڑیاں سب اس کی بات سمجھ لیں گی
چونچوں میں پتھر بھر لیں گی پنچوں میں سنگ سمو لیں گی

پھر وہ طوفاں آجائے گا جس سے ہر منبر ہر منصف
پارہ پارہ ہو جائے گا میرا انصاف کرے گا وہ
جو سب کا حاکم اعلیٰ ہے سب جس کی نظر میں یکساں ہیں
جو منصف عزت والا ہے میں ماں کو کیسے سمجھاؤں
کیا میں کوئی خانہ کعبہ ہوں (۱۹)

زہرا کے ہاں عورت و فاداری اور محبت کی دیوی ہے۔ وہ بے وفائی نہیں کر سکتی اور نہ ہی اسے کرنی چاہیے۔ شوہر کی محبت کے بغیر زندگی بے معنی اور بے منزل مسافر کی مانند ہو جاتی ہے۔ زہرا کے ہاں عورت بے قصور ہوتے ہوئے بھی اپنا محاسبہ ہی کرتی دکھائی دیتی ہے:

جنون اولیں شائستگی تھی وہی پہلی محبت آخری تھی
کشادہ تھے بہت بازوئے وحشت یہ زنجیر خردا لکھی ہوئی تھیں
کبھی اپنے آپ سے بھی چھپ گئی ہے وہی لڑکی جو سب کو جانتی تھی
سحر آغاز شب اتمام حجت عجب زہرا کی وضع زندگی تھی (۲۰)

عام طور پر ہمارے ہاں عورت کو کوہلو کا تیل سمجھا جاتا ہے جو ہر وقت متحرک رہنا چاہیے۔ عورت صبح سے شام اور رات تلک بھی کام کرتی رہے تو مرد اسے سراہنے کو تیار نہیں کہ اسے بھی دل جوئی کی ضرورت ہے:

مجھے فرصت ہی فرصت ہے سویرے جلد اٹھنا ہے
نہ شب کو دیر سے سونا کہیں باہر نہیں جانا
کسی سے بھی نہیں ملنا نہ کوئی فکر لاحق ہے
نہ کوئی یاد باقی ہے مگر یہ آخری مصرع
ذرا سا جھوٹ لگتا ہے (۲۱)

زہرا نے بے جوڑ شادی جیسے مسئلے کو بھی اپنی شاعرانہ آہٹ سے اجاگر کر کے عورت کی اذیت کا احاطہ کیا ہے۔ کہیں مال و دولت کے حصول کی غرض سے اور کہیں جنگ و جدل اور لڑائی جھگڑے میں تصفیہ کرانے کے لیے بے جوڑ شادی کا چلن عام ہے تو کہیں غیرت کے نام پر عورت سر باز اقل کر دی جاتی ہے۔ اور کہیں تیزاب گردی تو کہیں اسے زندہ جلا دیا جاتا ہے اور کبھی گھر کی عزت کو بچ چوراہے میں غیرت کے نام پر مورد الزام ٹھہراتے ہوئے خنجر کی تیز دھار سے لہو کے دریا بہا کر مردانگی کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ نظم ”میلہ گھوٹی“ میں رقم طراز ہیں:

وہ لکڑی کے تختے پہ ایسے کھڑی ہے کہ ہر پور کیلوں سے جیسے جڑی ہے
ابھی اس کا بیٹا ابھی اس کا شوہر چلائیں گے خنجر کی بوچھاڑ اس پر
کبھی ہاتھ کے رخ کبھی پیچھے پیچھے کبھی سر کے اوپر تو کندھے کے نیچے
تماشائی سانسوں کو روکے ہوئے ہیں تماشا ہراک باریوں دیکھتے ہیں

کہ جیسے وہ پہلے پہل دیکھتے ہیں (۲۲)

ان اشعار زہرا کا عورت کے لیے ایک تازیانہ ہیں کہ کمزور عورت کی بے بسی اور احساسات کا قتل عام کبھی کسی نے دیکھا تو درکنار محسوس کرنے کی بھی جرات نہ کی ہوگی کہ وہ زندگی کے اس بے رنگ میلے میں اپنوں کے ہاتھوں نہ جانے کتنے خنجر کھائے، بدن زخم خوردہ کیے ہوئے ہیں۔ عورت کی آواز، عورت کا ساز، عورت کا گداز، عورت کی بقا کی خواہش لیے زہرا نگاہ بیٹی کی صورت میں بھی عورت کے وجود کے بقا کے لیے نوحہ کتاں ہے۔ پدر سری معاشرے میں بیٹے کی بجائے بیٹی کی پیدائش پر کبھی عورت کو مار دیا جاتا ہے تو کبھی اسے اپنی زندگی بچانے کی خاطر غیر انسانی اور غیر اخلاقی عمل ابارشن سے گزرنا پڑتا ہے۔ عورت کو اپنے وجود سے ایک بیٹی کا وجود ختم کروانا پڑتا ہے جو خود ایک عورت ہو اور وہ ایک عورت کی قاتل کہلائے اس سے بڑھ کر دکھ اور کیا ہوگا۔ زہرا لکھتی ہیں:

کوکھ میں اک ماتم پیا ہے سارے اعضا پریشان ہیں
یہ وہی خوبصورت روائے بدن ہے تار جاں سے محبت کے بو سے گندھے ہیں
اس کے سب زاویے زندگی سے بچے ہیں اس کے سائے میں تم جانتے ہی نہیں
آج کیا ہو گیا! اک ننھی سی جان کھو گئی ہے
وقت آنے سے پہلے بلالی گئی ہے نیند آنے سے پہلے سلا دی گئی ہے (۲۳)
بقول زہرا نگاہ:

”جب میں دہلی گئی تو حامد جعفری سے ملنے گئی۔ وہاں مجھ ڈبلیو ایچ او کی رپورٹ دکھائی گئی جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ بیٹی ہے یا بیٹا۔ ابارشن کے بارے میں پتہ چلا تو میں ایک ایسی عورت سے ملنا چاہتی تھی جس نے ابارٹ کروایا ہو۔ میں ایک ایسی عورت سے ملی جو اس تکلیف دہ مرحلے سے گزر چکی تھی۔ قبل از پیدائش موت کا ذائقہ چکھنے والی ننھی بچی کی صدائے بازگشت کو محسوس کرتے ہوئے میں نے نظم ”میں بچ گئی ماں“ لکھی۔“ (۲۴)

نظم میں ایک کلی کھلے سی پہلے ہی مسل دی گئی اور وہ بیٹی جو خال و خد ملنے سے پہلے ہی ظالم سماج میں قتل کر دی گئی۔ جو پیدائش ہو سکی یا جسے پیدائش نہ کیا گیا۔ بیٹی کا بین اور نوحہ زہرا نے کمال دلگیر تہذیبی اقدار میں رہتے ہوئے بیان کیا ہے جس کی مثال نہیں ملتی:

ترے کچے لہو کی مہندی مرے پور پور میں رچ گئی ماں
میں بچ گئی ماں گر میرے نقش ابھر آتے
وہ پھر بھی لہو سے بھر جاتے مری آنکھیں روشن ہو جاتی تو
تیزاب کا سرمہ لگ جاتا ٹٹے وٹے میں بٹ جاتی
بے کاری میں کام آ جاتی ہر خواب ادھورا رہ جاتا
مراقبہ جو تھوڑا سا بڑھتا مرے باپ کا قد چھوٹا پڑتا

مری چزی سر سے ڈھلک جاتی مرے بھائی کی پکڑی گر جاتی
تری لوری سننے سے پہلے اپنی نیند میں سو گئی ماں
انجان نگر سے آئی تھی انجان نگر میں کھو گئی ماں (۲۵)

زہرا کے ہاں عورت کی آبروریزی اور بنت حوا کی عصمت دری کے واقعات کے بیان میں تہذیب میں گندھے الفاظ ملاحظہ کیجئے جو لہجے کے دھیمے پن کی ہلکی آنچ میں سراپا احتجاج ہیں۔ عورت کی آبروریزی کے واقعات جنگوں اور نامساعد حالات میں عام حالات سے زیادہ ہوتے ہیں۔ نظم ”بھیجو نبی جی رحمتیں“ بنگلہ دیش جنگ کے دوران لکھی جانے والی نظم ہے۔ عنوان سے ہی حرف مناجات گواہ اور شاہد ہیں کہ اس نظم میں شاعرہ نے نسائی دکھ کو نسائی لہجے میں کمال فن سے بیان کیا ہے:

اک دن اچانک کیا ہوا ٹھوکر سے دروازہ کھلا
اک جانور انسان نما بچوں کو لہراتا ہوا
کمرے میں آتا ہی گیا ہر شے پہ چھاتا ہی گیا
چادر جو سر سے کھینچ گئی قرآں کا چہرہ ڈھک گئی
روٹی تو بے پر جل گئی ہانڈی ابل کر رہ گئی
بچے کا جو پلا گر پڑا طوطا پھر ک چیخ اٹھا
بھیجو نبی جی برکتیں بھیجو نبی جی رحمتیں
آل نبی کا واسطہ آل نبی کا واسطہ
پر کوئی آیا ہی نہیں (۲۶)

اس نظم میں عورت کی بے بسی اور ظالم سماج کی بے حسی پر گہرا طنز ہے جہاں عورت کی عزت تار تار کر کے اپنی مردانہ ہوس پہ ناز کرتے ہیں۔ زہرا نے ایسے ایسے احساسات سے الفاظ کو تراشا ہے۔ جن کا بیان ایک مرد کے بس کی بات نہیں۔ مرد ایسی نظم نہیں لکھ سکتا کیونکہ وہ کبھی بھی عورت کے جذبات و احساسات کی جولانی اپنے اندر محسوس نہیں کر سکتا۔ وہ عورت کو صرف اپنا غلام اور ہر حق سے بیگانہ تصور کرتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ مرد شعرا عورت کی آزادی اور حقوق کی بات تو کرتے ہیں لیکن صنفی امتیاز بہر حال قائم رہتا ہے، غزلوں کے مقابلے میں ان کی نظموں میں ان کی شخصیت نکھر کر منکشف ہوئی ہے۔ زہرا نگاہ نے گھر کی چار دیواری اور آنگن سے لے کر بین الاقوامی حدود تک بہت سے موضوعات کو شاعری کی لڑی میں حقیقت برہنی پرویا ہے۔ یہ اپنی نظموں میں ایک ماں کے روپ میں ایک گھریلو عورت کی شکل میں سامنے آئی ہیں جس کے سامنے اپنے گھر کی چھوٹی چھوٹی الجھنیں ہیں، ایک شادی شدہ عورت کے حساس دل کی دھڑکنیں اور اپنے ماضی سے بے پناہ انسیت ان کے ہاں جھلکتی ہے۔ زہرا نگاہ نے شادی کے بعد شوہر کی دہلیز پر قدم تو رکھ دیا لیکن باپ کے چوکھٹ کے درو دیوار، بہن بھائیوں کے ساتھ گزرا وقت، ہم جو یوں کی سنگت حسین یادوں کی مانند ہر جاسا تھ ساتھ تھ رہیں۔ ایک لڑکی کو عورت بننے اور عورت سے ماں بننے تک کے سفر میں بہت سی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اپنا گھر یہاں تک کہ اپنا وجود

بھولنا پڑتا ہے مگر ذہن کا رشتہ ماضی سے کسی صورت نہیں ٹوٹتا۔ نئے گھر میں آسائشیں آنے کے باوجود اس کا دل ماضی کے ان لمحات کو ترستا ہے جب زندگی کی تیز رفتاری دن بھر کی مصروفیات کے باوجود بھی رات کے اندھیروں میں ماضی کے جگنوؤں کے سنگ آنکھوں کو جھللاتے ہیں۔ اور یاد بن کر آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ زہرا نے ”آنگن“ اور ”میری سہیلی“ جیسی نظموں میں ایک ایسی ہی عورت کے جذبات کی سچی تصویر کشی کی ہے:

درو دیوار در پتے آنگن دہلیزیں دالان اور کمرے
سارے روپ یہ کتنے نازک سوچو تو مٹی کے کھلونے
میرے لئے یہ کچھ عبادت میرے لئے یہ کوہ صداقت
میرے لئے یہ منزل وعدہ خلد تحفظ قصر رفاقت
جگجگ جگجگ سونے جیسا گھر سب کی نظروں میں آیا
بھگیا آنچل بھگیا کا جل کس نے دیکھا کس نے چھپایا (۲۷)

زہرا کے ہاں نسائی جذبات نسائیت کے ساتھ ساتھ تانیثی شعور کی بھی ترجمانی کرتے ہیں۔ زہرا عشق و محبت کے جذبات و احساسات کے بیان میں بھی خود داری کا کمال مظاہرہ کرتی ہیں۔ ان کے ہاں معاملہ بندی نہیں بلکہ محبت میں بھی وضع داری و احترام آدمیت دکھائی دیتا ہے۔ اور نا کردہ گناہوں کی سزا بھگتنے کو تیار رہنا، یہ رویہ اور انداز زہرا کے ہاں ہی دکھائی دیتا ہے:

تیری ایک ایک ادا پہچانی
اپنی ایک ایک خطا مان گئے (۲۸)
عورت کی قربانی و برداشت کے حوالے سے لکھتی ہیں:
تارتا کر ڈالیں صبر و ضبط کا دامن
زخم زخم دکھلا دیں، ظرف چارہ گر جانیں (۲۹)

زہرا محبت میں گندھی ایک ایسی عورت ہے جو محبوب کے اظہار محبت سے اپنی ذات اور شخصیت کو سنورنا محسوس کرتی ہے۔ شوہر کی محبت اور التفات بھری نظریں ہی زندگی کو رعنائی و دل کشی بخشتی ہیں:

اپنا ہر انداز آنکھوں کو تروتازہ لگا
کتنے دن بعد مجھ کو آئینہ اچھا لگا

سارا آرائش کا ساماں میز پر سوتا رہا اور چہرہ جگمگاتا، جاگتا، ہنستا لگا (۳۰)

زہرا کے ہاں مشرقی عورت کی کل کائنات اس کا شوہر، اولاد اور گھر کی سلطنت ہے۔

ایک اور جگہ زہرا نظم ”تھکن“ میں ایک عورت کے اندرونی احتساب کی کیفیت خود کلامی کے انداز میں بیان کرتے ہوئے کیا خوب لکھتی ہیں:

یہ تھکن میرے اندر کی اپنی تھکن، میری کوکھ میں پلنے والی تھکن

رگوں میں لہو کی طرح بہہ رہی ہے، کہاں کی تھکن ہے؟ یہ کیسی تھکن ہے (۳۱)
 زہرا کے اعلیٰ فنی ترفع کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی زہرا کے مجموعہ کلام کی تقریظ میں لکھتے ہیں:
 ”رشتوں، رابطوں اور رفاقتوں کا بھرپور احترام کرنے والی زہرا ان کی شکست و ریخت، ان کے
 انتشار اور ان کے زوال کے تذکرے میں بظاہر ٹوٹ پھوٹ رہی ہوتی ہیں مگر مایوسیوں کے تیز
 جھونکے ان کی امید کے چراغوں کی لوؤں کو بجھاتے نہیں بلکہ وہ اس تاریکی کے ظلم سے طلوعِ سحر کا
 کام لیتی ہیں۔“ (۳۲)

زہرا نے جہاں نہایت متین لہجے میں عورت کی ترجمانی کی ہے وہیں معاشرے میں بدلتے اطوار اور تقاضوں کو
 بھی ہدفِ طنز کی آنچ میں نسائیت کی گونج دار آواز ایک کوڑا ثابت ہوئی ہیں۔ زہرا کے ہاں مایوسی اور یاسیت کی فضا نہیں بلکہ
 امید اور رجائیت کا لہجہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ نفرت اور فرسودہ روایات کی دیواریں گرا کر وحدت و محبت کے پرچار کو اپنی شاعری
 کا مطمحِ نظر سمجھتی ہیں۔ زہرا کے ہاں خودداری کا جذبہ بھی عام ہے۔ وہ عزت نفس اور غیرت و حمیت کو ہی زندگی کی علامت
 سمجھتی ہیں۔ نظم ”وہ کتاب“ کے عنوان سے لکھی گئی زہرا کی لوحِ حیات ہے۔ جو ہر عورت کے دل کی آواز ہے۔ اس کے
 ایک ایک لفظ میں نسائی تشخص اور کیفیات و جذبات پوشیدہ ہیں۔ جسے وہ دنیا سے نہاں رکھ کر چپکے چپکے آنکھوں سے دل میں
 اتار کر اپنا کھتار سس کرتی ہے:

مری زندگی کی لکھی ہوئی مرے طاقِ دل پہ سچی ہوئی
 وہ کتاب اب بھی ہے منتظر جسے میں کبھی نہیں پڑھ سکی
 مجھے خوف ہے کہ کتاب میں مرے روز و شب کی اذیتیں
 وہ ندامتیں، وہ ملا متیں کسی حاشیے پر رقم نہ ہوں
 میں فریبِ خوردہ برتری میں اسیرِ حلقہ بزدلی
 وہ کتاب کیسے پڑھوں گی میں (۳۳)

زہرا نگاہ نے زندگی کے گونا گوں مسائل سے اپنا شعری سرمایہ کشید کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:
 ”اہلِ نظر نے زہرا نگاہ کی ابتدائی شاعری ہی سے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کے فن میں امکانات کی
 دنیا میں آباد ہیں۔ پھر بھی وہ جیسی اور سچ رفتار سے ارتقاء کی شاہراہ پر گامزن رہیں اور فنی ترفع کے
 اس مقام پر پہنچیں، جو آج ان کی شناخت بن چکا ہے کہ وہ بڑے بڑے گھمبیر موضوعات سے بھی
 اتنی سہولت سے غمٹتی ہیں جیسے بالکل سامنے کی بات کر رہی ہوں..... انہوں نے ایک مہیب
 صورت حال کو ایسے تیکھے اسلوب سے واضح کیا ہے اور ایسی بلوغِ رمز سے کام لیا ہے کہ ان کے کلام
 کا قاری اور سامع اپنے باطن میں دکھ کی تیز دھار لہریں اترتی محسوس کرتا ہے۔“ (۳۴)

زہرا نگاہ نے اپنے شعری سخن کے ذریعے انفرادی ورومانوی، سماجی، غریب الوطنی اور جنسی مسائل کی تاریخِ رقم
 کرنے میں تہذیبی اقدار کے پیرائے میں مؤثر نسائی انداز میں مہارت سے کام لیا ہے۔ ان کی تخلیق میں وہ تمام نشیب و

فراز دیکھے جاسکتے ہیں جو نسائی زندگی کا حاصل ہیں۔ وہ عورتوں کی نفسیات کو بخوبی سمجھتی ہیں۔ وہ صیغہ واحد متکلم استعمال کرتے ہوئے آپ بیتی کو جگ بیتی میں مدغم کرنے کا کمال ہنر رکھتی ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں عورت کے دکھ درد اور زندگی کے کرب کی ترجمانی بڑی کارگیری کا فرما نظر آتی ہے۔ زہرا ان مسائل حیات سے فرار اختیار نہیں کرتیں بلکہ حالات سے نمٹنے کا حوصلہ فراہم کرتے ہوئے ان کی نسائی حسیت اور تانیثی شعور امید و یقین کی روشنی سے مزین ہو کر ان کی شاعری کو عالمگیر اور منور کرتا ہے۔ زہرا نے خواتین شاعرات کو اعتبار بخشا اور ان کی عزت و عظمت میں وقار کا علم بلند کیا۔ ان کا امتیاز نسائی حسیت ہے جس نے ان کے ایک ایک شعر کو درد دل سے منفرد اور دل کشی بخشی ہے۔ مشرقی تہذیبی نسائی جذبے اور شعور و آگہی کا امتزاج ہی ان کی شاعری کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ڈاکٹر منصور خوشتر لکھتے ہیں:

”زہرا نگاہ اردو شاعری کی دنیا میں اپنا منفرد مقام رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں انسانی بے وقعتی، مایوسی بے سروسامانی کے علاوہ آزادی کے فریب جیسے موضوعات کو کافی اہمیت دی ہے۔ وہ نظمیں اور غزلیں دونوں کہتی ہیں لیکن ان کی نظموں کو نسائی رویے کی تفہیم کا موضوع بنایا جاسکتا ہے۔“ (۳۵)

رشتوں، رابطوں اور رفاقتوں کا بھرپور احترام کرنے والی زہرا ان کی شکست و ریخت، انتشار اور ان کے زوال کے تذکرے میں بھی یاسیت کے بجائے رجائیت کے چراغ روشن کرتے ہوئے نسائی مسائل حیات کی ترجمانی میں نسائی حسیت سے سرشار اردو شاعری کی نسائی تحریک کا ایک منفرد اور معتبر حوالہ بن چکی ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ صالحہ صدیقی، اردو میں تائیدی حیثیت، شمولہ: سرمایہ فکر و تحقیق، (اپریل۔ جون ۲۰۱۶ء)، ص ۲۳۹
2. Britannica Encyclopedia at.
<https://www.britannica.com/topic/feminism>, accessed on 20-01-2018
- ۳۔ عتیق اللہ، ترتیب و انعقاد، شمولہ: بیسویں صدی میں خواتین، اردو ادب، (دہلی: ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، ص ۷۲
- ۴۔ ایضاً، ص ۳۵۴
- ۵۔ انٹرویو: تم جو چاہو تو سنو، نمیزہ ہاشمی کے ساتھ، ۱۹ فروری ۲۰۱۹ء
- ۶۔ نجمہ رحمانی، آزادی کے بعد اردو شاعرات، (دہلی: بھارت آفسٹ پریس، ۱۹۹۴ء)، ص ۵۹
- ۷۔ انتظار حسین، فلیپ: مجموعہ کلام، از: زہرا نگاہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)
- ۸، ۹۔ زہرا نگاہ، مجموعہ کلام، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۷
- ۱۰۔ نجمہ رحمانی، آزادی کے بعد اردو شاعرات، ص ۶۱
- ۱۱۔ زہرا نگاہ، مجموعہ کلام، ص ۱۸
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۲۰
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۳۶
- ۱۴۔ ایضاً، ص ۶۷
- ۱۵۔ ایضاً، ص ۳۹
- ۱۶۔ ایضاً، ص ۶۳
- ۱۷۔ ایضاً، ص ۶۴
- ۱۸۔ فیض احمد فیض، دیباچہ: شام کا پہلا تارا، از: زہرا نگاہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، س۔ ن)، ص ۹
- ۱۹۔ زہرا نگاہ، مجموعہ کلام، ص ۱۱۴
- ۲۰۔ ایضاً، ص ۱۲۵
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۱۴۱
- ۲۲۔ ایضاً، ص ۱۲۷
- ۲۳۔ ایضاً، ص ۱۶۱
- ۲۴۔ انٹرویو، فروری ۲۰۱۳ء

A journey of Thoughts with Zehra Nigah

- ۲۵۔ گفتگو زہرا نگاہ کے ساتھ، (پارٹ 1)، بی ای سی، یو جی سی پروگرام ۲۱/ جنوری ۲۰۱۴ء
- ۲۶۔ زہرا نگاہ، میں بچ گئی ماں (نظم)، بحوالہ ریختہ
- ۲۷۔ زہرا نگاہ، مجموعہ کلام، ص ۱۶۲
- ۲۸۔ ایضاً، ص ۲۴
- ۲۹۔ ایضاً، ص ۲۱
- ۳۰۔ ایضاً، ص ۱۷
- ۳۱۔ ایضاً، ص ۴۶
- ۳۲۔ احمد ندیم قاسمی، تقریظ: مجموعہ کلام، از: زہرا نگاہ، ص ۱۶۰
- ۳۳۔ زہرا نگاہ، مجموعہ کلام، ص ۲۸۰
- ۳۴۔ احمد ندیم قاسمی، تقریظ: مجموعہ کلام، از: زہرا نگاہ، ص ۱۶۰
- ۳۵۔ منصور خوشتر، اکیسویں صدی میں اردو غزل، (دریا گنج: نیو پرنٹ سینٹر ۲۰۱۷ء)، ص ۲۱۶

